اسلام آباد اسلامیکس، جلد: 5، شمارہ: 1، جنوری تا جون 2022

اعجاز القرآن: رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دائمی دلیل

Ejaz-ul-Quran: A Permanent Proof of the Muhammadan Prophethood (PBUH)

ڈاکٹر حافظ عبد الرشید: اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ، وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد

ABSTRACT

Allah, the Lord of Glory, has sent Prophets and Messengers from among human beings for the guidance of human beings, so that He may convey His commands to the servants through these chosen persons. Since messengers and prophets were human beings, there was no difference between their appearance and the appearance of other human beings, so Allah Almighty gave them miracles as proof of their authenticity. Miracles are a reflection of the power of Allah, the Lord of Glory, which is manifested in the hands of Allah, the Prophet and the Messenger in proof of the authenticity and truthfulness of the Prophets. Because whenever the Prophets presented themselves as ambassadors sent by Allah, the people demanded such signs by which a person can be sure that he is indeed the Prophet and Messenger of Allah. Allah Almighty has bestowed innumerable miracles on our Prophet Muhammad (PBUH). The Holy Qur'an is one of those miracles which is a living miracle till the day of judgment.

In what sense is the Holy Quran a miracle? Researchers differ on this point. Some called it a miracle because of its eloquence and expressiveness, some because of the preservation of its words and meanings, some because of its revolutionary and passionate effect, and some because of its previous divine teachings, some because of its involvement in all aspects of life, and some because of the history of the earlier nations. The question arises as to how

Ijaz-ul-Quran can become a lasting proof of the prophethood of the Holy Prophet. The article under review contains these researches.

Key Words: Miracles, Quran, Ijaz-ul-Quran, Proof of Prophethood, Muhammad (PBUH)

اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کی ہدایت وراہنمائی کے لئے انسانوں میں سے نبی و رسول بھیجے تاکہ ان برگزیدہ ہستیوں کے واسطے سے بندوں تک اپنے احکامات پہنچائے اور انہیں "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" کا بھولا ہوا وعدہ یاد دلائے اور ان پر اپنی حجت تام کردے، "لِئَلَّایَکُونَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ" تاکہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوئی عذر باقی نہ رہے۔ رسول اور نبی چونکہ انسان ہی ہوتے تھے، ان کی ظاہری صورت اور دوسرے انسانوں کی صورت میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی صداقت کی دلیل کے طور پر انہیں معجزات عطا فرمائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بیان فرماتے ہیں:

"اسْلُكْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذَانِكَ بُرْهَانَانِ مِنْ رَبِّكَ إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ-"[1]

" اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالو، وہ کسی بیماری کے بغیر چمکتا ہوا نکلے گا، اور ڈر دور کرنے کے لیے اپنا بازو اپنے جسم سے لپٹا لینا۔ اب یہ دو زبردست دلیلیں ہیں جو تمہارے پروردگار کی طرف سے فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس بھیجی جارہی ہیں۔ وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔"

کسی بھی دعوے کیلئے ایسی دلیل ضروری ہے جو اس دعوے کے مناسب ہو۔ چنانچہ جو شخص نبوت کا دعوی کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ میں قدوسِ الٰہی کا فرستادہ اور اس کا سفیر ہوں اور اس کے احکامات وہدایات لے کر آیا ہوں۔ لہٰذا اس کی صداقت ثابت کرنے کے لیے ایسے امور کا ظہور ضروری ہے کہ جس کی مثال لانے سے مخلوق بالکل مجبور اور معذور ہو تاکہ مخلوق ان خارقِ عادت امور کو مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہوا دیکھ کر یہ یقین کرلے کہ یہ تائید ربانی اور کرشمہ یزدانی ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے کسی سبب ظاہری کے بغیر اس مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر

---

[1] ۔ سورۃ القصص: 32/28

ہوا ہے۔ اور دیکھنے والا یہ سمجھ لے کہ یہ معجزہ جو ظاہر ہو رہا ہے محض اللہ کا فعل ہے، رسول کا فعل نہیں اور نہ رسول کے ارادہ اور اختیار کو اس میں کوئی دخل ہے۔ اور نہ یہ کسی جعلی تدبیر سے وقوع میں آیا ہے بلکہ محض قدرت باری تعالیٰ سے ظاہر ہوا ہے، کیونکہ ایسا کرشمہ دکھانا انسان کی قدرت اور تدبیر سے باہر ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ خارقِ عادت واقعہ اس شخص کی اللہ رب العزت کی جانب سے تائید ہے۔ اگر دل و دماغ کجی، حسد و عناد سے پاک ہو تو معجزہ دیکھتے ہی صاحبِ معجزہ کے سچے ہونے کا بے اختیار یقین ہو جاتا ہے اور نفس اس کی تصدیق پر مجبور ہو جاتا ہے۔ نبوت و رسالت کا دعویٰ ایک امر عظیم ہے اس لیے اس کے اثبات کیلئے دلیل و برہان بھی عظیم ہونی چاہیے۔ چنانچہ معجزہ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قہر کا نمونہ ہوتا ہے، جب نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے تو اس کے غلبہ و رعب کے سامنے کسی کا بس نہیں چلتا اور اختیار کی بات ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے۔ عقلی دلائل میں مکالمہ کا راستہ بالکل بند نہیں ہوتا مگر معجزات اور آیات بینات کے مشاہدہ کے بعد سوائے عناد اور ازلی بد نصیبی کے کفر اور انکار کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ معجزہ ظاہر و باطن کے اعتبار سے دوسروں کو عاجز کر دیتا ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے اخلاقِ حمیدہ اور پسندیدہ احوال و اعمال اور عادات و خصال اور آپ کے انتظام اور تدبیرِ خلائق اور سیاستِ ملکیہ پر نظر کی جائے کہ آپ نے کس طرح مختلف طبیعتوں اور متضاد مزاجوں کو ایک قانون الٰہی کا شیدائی اور فدائی بنا دیا۔ نیز آپ نے مخلوقِ باری تعالیٰ کو جو قوانینِ شریعت عطا کئے ان کے حقائق و دقائق اور نکات و اشارات اور باریکیوں اور گہرائیوں کی تحقیق اور تدقیق میں امت کے علماء محققین اور فقہاء مجتہدین عمر بھر حیران اور عاجز رہے۔ ان امور میں اگر غور کیا جائے تو عقل سلیم کو ذرا بھر شک و شبہ نہیں ہوتا کہ ان تمام امور کی سرانجام دہی بلا تائید غیبی محض بشری اور کسی تدبیر اور حیلہ سے ناممکن اور محال ہے۔ ایسے اخلاق فاضلہ اور ایسی شریعت کاملہ کا ظہور کسی جھوٹے اور فریبی شخص سے متصور نہیں ہو سکتا۔ سب کو معلوم ہے کہ حضور ﷺ محض امی تھے۔ نہ آپ نے کسی سے علم پڑھا اور نہ کسی کتاب کا مطالعہ کیا اور نہ ہی طلب علم کیلئے کوئی سفر کیا۔ ہمیشہ جاہل عربوں میں رہے۔ یتیم اور بے کس تھے۔ ان حالات میں بغیر پڑھے لکھے آپ کی زبانِ مبارک سے علم و حکمت کا چشمہ جاری ہو جانا اور ایسے علوم و معارف کا ظاہر ہونا کہ اولین و آخرین میں سے اس کی کہیں نظیر نہ ہو بغیر وحی الٰہی کے ناممکن ہے۔ محض انسانی طاقت اور فہم و فراست ان مور کے ادراک سے عاجز اور قاصر ہے۔ اسی طرح آپ کے بے

مثال اخلاق وعادات اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ آپ کی ذات والاصفات اللہ رب العزت کے ہاں برگزیدہ وپسندیدہ ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوتا ہے وہ اسے بداخلاق وبداعمال بنادیتا ہے۔ نیز باوجود بے سروسامانی کے عرب وعجم پر آپ کے خدام کی فتحیابی اور کامرانی بھی اس امر کی صریح دلیل ہے کہ تائید ربانی اور فضل یزدانی آپ کے ساتھ ہے۔ یہ ظاہری امور آپ کی صداقت کے اثبات کیلئے کافی ووافی تھے لیکن ان ظاہری امور کے علاوہ آپ کی صداقت کے کچھ باطنی نشانات یعنی کچھ معجزات بھی آپ ﷺ کو عطا کیے گئے تاکہ کسی ادنی عقل والے کو بھی آپ کی صداقت میں ذرہ برابر شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔[2]

معجزات اللہ رب العزت کی قدرت کا پرتو ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی صداقت وحقانیت کے ثبوت میں من جانب اللہ نبی ورسول کے ہاتھ پر صادر ہوتے ہیں۔ کیونکہ پیغمبروں نے جب بھی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے سفیروں کی حیثیت سے پیش کیا تو لوگوں نے ایسی نشانیوں کا مطالبہ کیا جن کو دیکھ کر ایک آدمی اس بات کا یقین کرے کہ وہ واقعی اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں۔ اس لیے رب العالمین کے مقرب انبیاء کرام علیہم السلام سے مختلف قسم کے خارقِ عادت واقعات ظہور میں آتے تھے جن کی عقلی اور عملی طور پر کوئی توجیہ ممکن نہیں ہوتی تھی کیونکہ وہ واقعات عام قوانین فطرت کی روش سے ہٹے ہوتے تھے۔ اور انبیاء علیہم السلام کی صداقت وحقانیت کا اعلان کرتے تھے۔ تاہم وہ اللہ رب العزت کی طرف سے براہ راست ایک نشانی کے طور پر صادر ہوتے تھے جن کو قرآن مجید کی اصطلاح میں آیت اور برہان کے الفاظ سے، جب کہ علماءِ علم الکلام کی اصطلاح میں معجزہ کہا جاتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

"لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔"[3]

"حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی ہوئی نشانیاں دے کر بھیجا، اور ان کے ساتھ کتاب بھی اتاری، اور ترازو بھی، تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔"

معجزہ کا مفہوم

---

[2]۔ احیاء علوم الدین، ابو حامد محمد بن محمد غزالی، مکتبہ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی، قاہرہ، مصر، 1939ء، ص: 1/ 112، 113

[3]۔ سورۃ الحدید: 57/ 25

لفظ معجزہ عجز سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے عاجز آجانا، طاقت نہ رکھنا، قاصر رہنا، باب افعال سے اَعْجَزَ يُعْجِزُ اِعْجَاز، کسی کو عاجز کر دینا یا کام کرانے کی قدرت سلب کر لینا کے ہیں۔ ابن منظور الافریقی رقمطراز ہیں:

"العَجْزُ: الضَّعْفُ، تَقُولُ: عَجَزْتُ عَنْ كَذَا أَعْجِز. وَفِي حَدِيثِ عُمَرَ: وَلَا تُلِثُّوا بِدَارِ مَعْجِزَة أَي لَا تُقِيمُوا بِبَلْدَةٍ تَعْجِزُون فِيها عَنِ الِاكْتِسَابِ وَالتَّعَيُّشِ----- يُقَالُ: عَجَزَ يَعْجِزُ عَنِ الأَمر إِذا قَصَرَ عَنْهُ--- والمُعْجِزَةُ: وَاحِدَةُ مُعْجِزات الأَنبياء، عَلَيهِمُ السَّلَامُ."[4]

"العَجْزُ کمزوری کو کہتے ہیں، کہا جاتا ہے عَجَزْتُ عَنْ كَذَا أَعْجِز، میں فلاں کام سے عاجز آ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے "وَلَا تُلِثُّوا بِدَارِ مَعْجِزَة" "یعنی تم ایسی جگہ قیام نہ کرو جہاں سامانِ گذران کے حصول سے عاجز آجاؤ"، باب ضرب سے عاجز ہونے کے معنی میں ماخوذ ہے اور لفظِ معجزہ، معجزات انبیاء علیہم السلام کا واحد ہے۔"

جامع اللغات میں معجزہ کے معنی فوق العادت طاقت بشری سے باہر اور عاجز کر دینے والی چیز کے ہیں۔[5]

معجزہ کی اصطلاحی تعریف

معجزہ اس خلاف عادت واقعہ کو کہا جاتا ہے جو عمومی اور عادی اسباب کے بغیر کسی نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو۔ معروف معاصر محقق نور الدین عتر معجزہ کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"أمر خارق للعادة مقرون بالتحدي مع عدم المعارضة"[6]

"ایسا خلاف عادت امر جس کا چیلنج کیا جا رہا ہو اور وہ معارضہ سے سالم ہو۔"

علامہ سیوطیؒ معجزہ کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"أمر خارق للعادة مقرون بالتحدّي سالم من المعارضة يظهره الله على يد رسله -"[7]

"ایسا خلاف عادت امر جس کا چیلنج کیا جا رہا ہو اور وہ معارضہ سے سالم ہو جسے اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے ہاتھ پر ظاہر

4۔ لسان العرب، علامہ ابن منظور افریقی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۹۸م، ص:5/370

5۔ جامع اللغات، خواجہ عبد الحمید، اردو سائنس بورڈ، لاہور، س-ن، ص:2/422

6۔ علوم القرآن الکریم، نور الدین محمد عتر حلبی، مطبع الصباح، دمشق، ۱۴۱۴ھ، ص:191

7۔ الاتقان فی علوم القرآن، سید جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی، مکتبہ المعارف، ریاض 1996ء، ص: 4/ 3، مناھل العرفان فی علوم القرآن، زرقانی، محمد عبد العظیم، دار الفکر، بیروت، لبنان، 1988ء، ص: 1/ 66

فرماتے ہیں۔"

مولانا عبد الحق حقانیؒ معجزہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وہ خارقِ عادت کام جو مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہوں اور مخالفین اس کی مثل لانے سے عاجز ہوں۔ ایسے خارقِ عادت کام کو معجزہ کہتے ہیں۔"[8]

مذکورہ بالا تعریفات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی کی صداقت کی حقانیت کیلئے کسی شے کی ماہیت کو اپنی قدرت سے اس طرح بدل دیتا ہے جس کے بدلنے کی طاقت اور قدرت کسی انسان کے پاس نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اس سے عاجز ہوتا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کا گلزار بن جانا، حضرت موسی علیہ السلام کے عصا کا اژدھا بن جانا، حضرت عیسی علیہ السلام کا ماں کی گود میں گفتگو کرنا اور آنحضرت ﷺ کی انگشتِ شہادت کے اشارہ سے چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، یہ سب امور معجزات ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کے معجزات

اللہ رب العزت نے نبی آخر الزمان ﷺ کی صداقت کے لیے آپ کو بے شمار معجزات عطا فرمائے ہیں۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے مختلف علماء سے ان معجزات کی تعداد نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

"امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے معجزات کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے جبکہ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ آپ کے معجزات بارہ سو کے قریب ہیں اور بعض علماء نے آپ ﷺ کے معجزات کی تعداد تین ہزار ذکر کی ہے اور محدثین کرام نے معجزات نبوی ﷺ پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، جیسے امام بیہقی اور امام ابو نعیم کی "دلائل النبوۃ" کے نام سے کتب معروف ہیں۔ اور جلال الدین سیوطیؒ نے آپ کے معجزات پر "خصائص الکبریٰ" کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس میں ایک ہزار معجزات ہیں۔ اور حق بات تو یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے معجزات شمار سے متجاوز ہیں اس لئے کہ آپ کا ہر قول اور ہر فعل اور ہر حال عجیب و غریب مصالح اور اسرار و حِکم پر مشتمل ہونے کی وجہ سے خارقِ عادت اور معجزہ ہے ۔۔۔۔ حضور اکرم ﷺ کے معجزات ہزاروں کی تعداد میں اور متصل اسانید

---

[8]۔ تفسیر فتح المنان المعروف تفسیر حقانی، حقانی، مولانا ابو محمد عبد الحق حقانی، بیت العلم، اردو بازار، لاہور، 2003ء ص: 1/ 15

کے ساتھ مروی ہیں جن میں سے بہت سی اسانید تواتر اور شہرت کے درجہ کی ہیں"۔[9]

اللہ کی طرف سے ضابطہ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزہ ایسی چیز کے ساتھ دیا جاتا ہے جس کا دنیا میں چرچا ہو۔ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے دور میں جادو گر بڑے مشہور تھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات سے نوازا گیا جن کے سامنے فرعون کے دربار کے بڑے بڑے جادو گروں کا حربہ بھی کارگر ثابت نہ ہو سکا اور آخر کار وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہو گئے۔ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں میڈیکل سائنس اور طب کی بڑی شہرت تھے۔ جالینوس، بقراط، لقمان اور ارسطالیس ایسے حکماء کا رواج تھا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات عطا کیے گئے جن ان لوگوں کی طاقت میں نہیں تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے دور اقدس میں عربی زبان کی فصاحت و بلاغت بڑے عروج پر تھی یہاں تک کہ شعراء کے مابین کے مقابلہ جات منعقد ہوتے تھے اور اس مقالہ میں بہترین قرار دیے جانے والے شعراء کے کلام کو کعبہ کے دروازہ پر لٹکا دیا جاتا تھا۔ معلقات عشر اور سبع معلقات اسی زمانہ کے یادگار نمونے ہیں جو آج بھی متداول ہیں۔

چنانچہ آخر الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ خطہ ءعرب میں پیدا ہوئے۔ مکہ معظمہ آپ کا وطن تھا جو جزیرہ عرب میں واقع ہے۔ اس زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا بڑا چرچا تھا۔ اہل عرب جب مختلف مواقع پر جمع ہوتے تھے تو مقابلے کے طور پر مختلف قبائل اپنے اپنے قصیدے سنایا کرتے تھے۔ جس کا قصیدہ بہت زیادہ فصیح و بلیغ سمجھا جاتا اس کو کعبہ شریف پر لٹکا دیتے تھے اور یہ گویا ایک قسم کا چیلنج ہوتا تھا کہ کوئی شخص اس کے مقابلہ میں قصیدہ لکھ کر پیش کرے۔ حضرت محمد مصطفی، احمد مجتبیٰ خاتم النبیین ﷺ کی بعثت عامہ سارے عالم کے انسانوں کے لیے ہے، قیامت آنے تک آپ ہی رسول ہیں۔ آپ ہی کے لائے ہوئے دین کو قبول کرنے میں سب کی نجات ہے۔ آپ سے بے شمار معجزات کا ظہور ہوا، جو حدیث اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور ان معجزات پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان معجزات میں بہت بڑا معجزہ اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جو آپ پر نازل ہوئی جس کا نام قرآن مجید ہے۔ اس زمانہ میں چونکہ فصاحت و بلاغت کا بہت چرچا تھا اور مخاطبین اولین چونکہ اہل عرب ہی تھے، اس لیے یہ ایک ایسا معجزہ دے دیا گیا جس کی فصاحت و بلاغت کے سامنے تمام شعراء عرب عاجز رہ گئے۔ اور اس کو دیکھ کر بہت سے شعراء نے کلام کہنا

---

[9] ۔ سیرۃ المصطفی ﷺ، ص: 2/530، 531

ہی چھوڑ دیا جن میں حضرت لبید بن ربیعہؓ بھی تھے۔ ان کا قصیدہ بھی ان قصائد میں شامل ہے، جن کو مقابلہ کے لئے کعبہ شریف پر لٹکا دیا جاتا تھا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کرایا کہ زمانہ اسلام میں آپ نے کیا اشعار کہے ہیں انہوں نے جواب دیا: اَبْدَلَنِيَ اللّٰهُ بِالشِّعْرِ سُورَةَ الْبَقَرةِ وَسُورَةَ آلِ عِمْرَانَ۔ [10]

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی اس مقدس کتاب کے ذریعے دنیا کے سارے ادباء، شعراء اور خطباء کو چیلنج کیا گیا کہ اپنے سارے جنوں، انسانوں، مدرگاروں، دیوتاؤں اور معبودوں سمیت سب کا تعاون لے لو اور اس طرح ایک ہی سورت بنا کر لے آؤ۔ لیکن ان سارے لوگوں سے ایسا کلام نہ بن پایا۔

معجزہ قرآن ایک زندہ اور ہمیشہ باقی رہنے والا معجزہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر آج تک بلکہ رہتی دنیا تک اس کی نظیر یا مثال پیش نہیں کی جاسکی اور نہ ہی اس کا امکان باقی ہے۔

اعجاز القرآن کا مفہوم

قرآنِ مجید میں کئی مقامات پر اس کے مثل لانے کا چیلنج دیا گیا ہے، لیکن قابلِ لحاظ بات یہ ہے کہ اس کی مثل لانے سے مراد کیا ہے؟ کیا نظم یا نثر یا تحریر کا کوئی سٹائل ایسا ہے جسے اس طرح بنا کر لانے کا چیلنج دیا جارہا ہے؟ ایسا نہیں ہے بلکہ خاص صفات کا حامل کلام لانا مقصود ہے جو مخصوص خصوصیات کا حامل ہو۔

ان صفات و خصوصیات کے بارے میں مولانا کاندھلویؒ لکھتے ہیں کہ اعجاز قرآن کے بے شمار پہلو ہیں جس پر علماء دین نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ اجمالی طور پر چند پہلو درج ذیل ہیں:

1۔ قرآن مجید، توحید، رسالت اور قیامت تک کے ایسے امور پر مشتمل ہے کہ سابقہ کتب میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہے۔

2۔ قرآن کریم، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبوت و رسالت اور اثبات قیامت کے ایسے عقلی دلائل پر مشتمل ہے کہ جس کے جواب سے روئے زمین کے تمام فلاسفہ لاجواب اور بے بس ہیں۔

3۔ قرآن مجید میں حلال و حرام کی تفاصیل موجود ہیں۔

10۔ الاصابہ فی تمیز الصحابۃ، احمد بن علی بن محمد ابن حجر عسقلانی، مطبع مصطفی محمد، قاہرہ، مصر، 1985ء، ص: 3/326

4۔ قرآن کریم، سابقہ انبیاء کے مواعظ پر مشتمل ہے۔

5۔ قرآن مجید دنیوی واخروی معاملات میں ہر طرح سے راہنمائی کرتا ہے۔

6۔ قرآن مجید سابقہ امتوں کی خبریں اور آئندہ پیش آنے والے امور کی خبریں دیتا ہے۔[11]

اعجاز القرآن کے ان پہلوؤں کو بیان کرنے کے بعد مولانا کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

"یہ تو قرآن کریم کے معنوی اعجاز کے چند پہلو ہیں اور فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے اس کے دلائل اعجاز اور اسرار بلاغت کی کوئی حد نہیں۔ آج دنیا میں مقامات حریری اور مقامات بدیعی اور مقامات زمخشری، بشری فصاحت وبلاغت کے شاہکار دنیا کے سامنے موجود ہیں مگر قرآن کریم کے ساتھ ان کتابوں کو کوئی نسبت نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مقامات بدیعی اور مقامات حریری میں عجیب طریقہ سے لغات فریدہ کو سجع اور قافیہ کے رنگ میں جمع کیا ہے مگر قرآن کریم بلکہ کلام نبوی ﷺ کے ساتھ ان کو وہ نسبت نہیں کہ جو ذرہ بے مقدار کو آفتاب سے ہے۔ باتفاق اہل لسان مقامات حریری اور بدیعی معجزہ نہیں"۔[12]

سید مودودیؒ نہایت دلنشیں انداز میں ان صفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بعض لوگ اس چیلنج کی حقیقی نوعیت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ ایک قرآن ہی کیا، کسی شخص کے اسٹائل میں بھی دوسرا کوئی شخص نثر یا نظم لکھنے پر قادر نہیں ہوتا۔ ہومر، رومی، شکسپیئر، گوئٹے، غالب، ٹیگور، اقبال، سب ہی اس لحاظ سے بے مثل ہیں کہ ان کی نقل اتار کر انہی جیسا کلام بنالانا کسی کے بس میں نہیں ہے۔ قرآن کے چیلنج کا یہ جواب دینے والے دراصل اس غلط فہمی میں ہیں کہ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖ کا مطلب قرآن کے اسٹائل میں اس جیسی کوئی کتاب لکھ دینا ہے۔ حالانکہ اس سے مراد سٹائل میں مماثلت نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اس پائے اور اس شان اور اس مرتبے کی کوئی کتاب لے آؤ جو صرف عربی ہی میں نہیں، دنیا کی کسی زبان میں ہو۔ ان خصوصیات کے لحاظ سے قرآن پہلے بھی معجزہ تھا اور آج بھی معجزہ ہے"۔[13]

---

[11]۔ معارف القرآن، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مکتبۃ المعارف، دار العلوم حسینیہ، شہداد پور، سندھ، ۱۴۳۳ھ، ص:10/4

[12]۔ معارف القرآن، ص:10/4، 11

[13]۔ تفہیم القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، اپریل ۲۰۰۴ء، ص: 175/5

قرآن مجید کے اعجاز کے پہلوؤں کو بیان کرتے ہوئے سید مودودیؒ نے قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے پر استدلال کو تین دلائل سے مرکب قرار دیا ہے جو درج ذیل ہیں:

1۔ قرآن مجید زبان، اسلوب بیان، طرز استدلال، مضامین اور غیب کی خبروں پر مشتمل ہونے کے لحاظ سے ایک معجزہ ہے جس کی نظیر انسانی قدرت میں نہیں۔

2۔ نبوت سے پہلے حضور اکرم ﷺ کی ساری زندگی کفار کے سامنے تھی۔ اس عرصہ میں آپ ﷺ کا کلام بھی ایسا نہ تھا جو اس بات کی علامت ہے کہ یہ کلام الٰہی ہے۔

3۔ حضور اکرم ﷺ کے اپنے کلام اور قرآن مجید میں بھی نمایاں فرق تھا جسے وہ آسانی سے پہچانتے تھے۔ یہ بھی اس بات کی واضح علامت ہے کہ قرآن مجید آپ ﷺ کا کلام نہیں۔(14)

حاصلِ کلام یہ ہے کہ قرآن مجید مختلف وجوہ سے معجزہ ہے جن میں سے اہم ترین درج ذیل ہیں:

1۔ یہ اخبار ماضیہ پر مشتمل ہے۔

2۔ اس میں آئندہ آنے والی خبروں کا تذکرہ ہے۔

3۔ تمام امور دنیوی اور اخروی میں یہ کلام انسانیت کی راہنمائی کرتا ہے۔

4۔ اس کا اسلوب لاجواب ہے۔

5۔ حلال و حرام کی تفاصیل پر مشتمل ہے۔

قرآن مجید کی مثل لانے کے چیلنج میں تدریج وارتقاء

قرآن حکیم میں ایسے پانچ مقامات ہیں جہاں پر یہ چیلنج موجود ہے کہ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ یہ کلام محمد ﷺ کی اختراع اور ان کا اپنا بنایا ہوا ہے تو تم بھی مقابلے میں ایسا ہی کلام پیش کرو۔

1۔ سورۃ الطور میں ارشاد ہوا:

"أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ * فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ۔"[15]

---

[14]۔ ایضاً، ص: 2/642

[15]۔ سورۃ الطور: 52/ 33،34

"ہاں کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ: ان صاحب نے یہ (قرآن) خود گھڑ لیا ہے؟ نہیں، بلکہ یہ (ضد میں) ایمان نہیں لا رہے۔ اگر یہ واقعی سچے ہیں تو اس جیسا کوئی کلام (گھڑ کر) لے آئیں۔ "

2۔ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا:

"قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا۔"[16]

"کہہ دو کہ: اگر تمام انسان اور جنات اس کام پر اکٹھے بھی ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا کلام بنا کر لے آئیں، تب بھی وہ اس جیسا نہیں لا سکیں گے، چاہے وہ ایک دوسرے کی کتنی مدد کر لیں۔"

3۔ پھر سورۃ ھود میں فرمایا گیا:

"أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔"[17]

"بھلا کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ وحی اس (پیغمبر) نے اپنی طرف سے گھڑ لی ہے؟ (اے پیغمبر ان سے) کہہ دو کہ: پھر تو تم بھی اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں بنا لاؤ، اور (اس کام میں مدد کے لیے) اللہ کے سوا جس کسی کو بلا سکو بلا لو، اگر تم سچے ہو۔"

4۔ اس کے بعد مزید بر سبیل تنزل سورۂ یونس میں اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر لے آنے کا چیلنج دیا گیا۔ ارشاد فرمایا:

"أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔"[18]

"کیا پھر بھی یہ لوگ کہتے ہیں کہ: پیغمبر نے اسے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے؟ کہو کہ: پھر تو تم بھی اس جیسی ایک ہی سورت (گھڑ کر) لے آؤ، اور (اس کام میں مدد لینے کے لیے) اللہ کے سوا جس کسی کو بلا سکو بلا لو، اگر سچے ہو۔"

مذکورہ بالا تمام مقامات مکی سورتوں میں ہیں۔

---

[16]۔ سورہ بنی اسرائیل:17 / 88

[17]۔ سورہ ھود:11 / 13

[18]۔ سورہ یونس:10 / 38

5۔ مدنی سورتوں میں سورۃ البقرۃ میں یہی بات بڑے اہتمام کے ساتھ فرمائی گئی:

"وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔"[19]

"اور اگر تم اس (قرآن) کے بارے میں ذرا بھی شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے ﷺ پر اتارا ہے تو اس جیسی کوئی ایک سورت ہی بنالاؤ۔ اور اگر سچے ہو تو اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بلالو۔"

قرآن مجید کی مثل لانے میں اللہ تعالی نے جو چیلنج دیا اس میں سب سے آخر پر یہی فرمایا کہ ایک سورت بنا کر لے آؤ۔ ایک سورت سے کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی مختصر ترین سورتوں میں سورۃ العصر اور سورۃ الکوثر ہی ہیں تو کیا ان جیسی سورتیں بھی چیلنج میں شامل ہیں۔[20]

اس نقطہ کے بارے میں مولانا کاندھلویؒ فرماتے ہیں:

"لفظ سورت قرآن کریم کی ہر سورت کو شامل ہے خواہ وہ بڑی ہوں یا چھوٹی۔ جس طرح قرآن کی طویل سورتیں معجز ہیں اسی طرح چھوٹی سورتیں جیسے سورۃ اخلاص اور سورۂ کوثر اور سورۃ عصر بھی معجز ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ لوگ اگر فقط سورۂ والعصر میں تدبر اور تامل کریں تو ان کے لیے کافی اور وافی ہے۔ بلکہ قرآن کا جملہ تامہ معجز ہے۔ تمام عالم کے فصحاء اور بلغاء مل کر بھی اگر چاہیں تو قرآن کریم جیسا ایک جملہ بھی نہیں بنا کر لاسکتے"۔ [21]

یعنی کہ قرآن مجید نے کسی بھی سورت کی مثل لانے کا چیلنج کیا ہے خواہ وہ چھوٹی سورت ہو یا بڑی، لیکن صدیاں گزرنے کے باوجود اس چیلنج کا جواب نہیں دیا جاسکتا۔

اعجازِ قرآنی کے اہم پہلو

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ قرآن کریم کو کس بنا پر نبی اکرم ﷺ کا معجزہ کہا گیا اور کن کن صورتوں سے اس کا اعجاز ہے

---

[19]۔ سورۃ البقرۃ:2/ 23

[20]۔ دیکھیے، معارف القرآن، ص: 1/ 100، تفہیم القرآن، ص: 5/ 175/2، 369، ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۲۵ھ، ص: 2/ 347

[21]۔ معارف القرآن، ص: 1/ 100

اور کیوں؟ پوری دنیا اس کی مثل پیش نہیں کر سکی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اہل اسلام یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ چودہ سو سال سے بھی زیادہ زمانہ گزر چکا ہے، قرآن کریم کے چیلنج کرنے کے باوجود کوئی اس جیسی ایک آیت بھی پیش نہیں کر سکا۔

اعجاز قرآنی کے پورے وجوہ اور ان کی تفصیلات کا بیان ایک نہایت طویل بحث ہے۔ علماء امت نے اس پر بیسیوں مستقل کتابیں ہر زمانہ میں مختلف زبانوں میں تصنیف فرمائی ہیں۔ سب سے پہلے تیسری صدی ہجری میں جاحظ نے "نظم القرآن" کے نام سے مستقل کتاب لکھی، پھر چوتھی صدی کے اوائل میں ابو عبد اللہ واسطیؒ نے "اعجاز القرآن" کے نام سے کتاب لکھی، پھر اسی صدی میں ابن عیسیٰ ربانی نے ایک مختصر رسالہ بنام "اعجاز القرآن" لکھا۔ قاضی ابو بکر باقلانیؒ نے پانچویں صدی کے اوائل میں "اعجاز القرآن" کے نام سے ایک مفصل و مبسوط کتاب لکھی۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے "اتقان" اور "خصائص کبریٰ" میں، امام رازیؒ نے "تفسیر کبیر" میں، قاضی عیاضؒ نے "الشفاء" میں بڑی شرح وبسط کے ساتھ اس مضمون کی تفصیل لکھی۔ آخری دور میں مصطفٰی صادق رافعی مرحوم نے "اعجاز القرآن" کے نام سے اور جناب سید رشید رضا مصری نے "الوحی المحمدی" کے نام سے مستقل "جامع" اور "مبسوط" کتابیں لکھیں۔ اردو زبان میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے ایک رسالہ بنام "اعجاز القرآن" تصنیف فرمایا ہے۔

یہ بھی قرآن مجید کی خصوصیات میں سے ہے کہ اس کے ایک ایک مسئلہ پر مکمل تفسیروں کے علاوہ مستقل رسائل و کتابیں اتنی لکھی گئی ہیں کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

ذیل میں ان امور کی وضاحت کے لیے اعجاز القرآن کے اہم پہلوؤں کا تفسیری ادب میں جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

1۔ فصاحت وبلاغت

فصاحت وبلاغت کلام کا حسن ہوتے ہیں۔ کلام جب عربی قواعد کے مطابق ہو اور اس کے الفاظ آسان، واضح المعنی اور اچھے اسلوب پر ہوں تو اسے فصیح کلام کہتے ہیں۔ قرآن مجید کے نزول کے وقت عرب دنیا میں فصاحت وبلاغت کا دور دورہ تھا۔ اس وقت فصاحت وبلاغت ہی بلند مرتبہ ہونے کی علامت شمار ہوتی تھی۔ قرآن مجید کے نزول پر مشرکین عرب نے یہ الزام لگایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے تو خود قرآن مجید نے اپنے فصیح و بلیغ ہونے کا اس انداز سے دعوی کیا کہ عرب کو اس کی مثل لانے کا چیلنج دیا گیا لیکن تمام عرب اس کی مثل لانے سے عاجز آگئے۔ سید مودودیؒ

قرآن مجید کے اعجاز کے اس پہلو کو نمایاں کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جس زبان میں قرآن مجید نازل ہوا ہے اس کے ادب کا وہ بلند ترین اور مکمل ترین نمونہ ہے۔ پوری کتاب میں ایک لفظ اور ایک جملہ بھی معیار سے گرا ہوا نہیں ہے۔ جس مضمون کو بھی ادا کیا گیا ہے موزوں ترین الفاظ اور مناسب ترین انداز بیان میں ادا کیا گیا ہے ۔14 سو برس گزرنے کے بعد بھی آج تک یہ کتاب اپنی زبان کے ادب کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہے جس کے برابر تو درکنار، جس کے قریب بھی عربی زبان کی کوئی کتاب اپنی ادبی قدر و قیمت میں نہیں پہنچتی۔ یہی نہیں، بلکہ یہ کتاب عربی زبان کو اس طرح پکڑ کر بیٹھ گئی ہے کہ 14 صدیاں گزر جانے پر بھی اس زبان کا معیار فصاحت وہی ہے جو اس کتاب نے قائم کر دیا تھا، حالانکہ اتنی مدت میں زبانیں بدل کر کچھ سے کچھ ہو جاتی ہیں۔ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جو اتنی طویل مدت تک املاء، انشاء، محاورے، قواعد زبان اور استعمال الفاظ میں ایک ہی شان پر باقی رہ گئی ہو۔ لیکن یہ قرآن کی طاقت ہے جس نے عربی زبان کو اپنے مقام سے ہلنے نہ دیا۔ اس کا ایک لفظ بھی آج تک متروک نہیں ہوا ہے"۔[22]

ازہریؒ نے بھی اعجاز قرآنی کے اس پہلو کو نمایاں کیا ہے۔ چنانچہ اس پہلو کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس ہٹ دھرمی کے باوجود قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت سے انہیں انکار نہ تھا۔ بلکہ دل ہی دل میں وہ اس سے حد درجہ متاثر اور مرعوب تھے۔ قرآن کی اس حیرت انگیز تاثیر کی کیا وجہ ہے؟ اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ کبھی وہ اسے جادو کہتے، کبھی حضور پر الزام لگاتے کہ انھوں نے خود گھڑا ہے اور ناحق اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی ہے تاکہ لوگ ان کے معتقد بن جائیں۔ کبھی کہتے کہ نہیں خود تو نہیں گھڑا کیونکہ امی ہیں لیکن فلاں آدمی ان کو سکھاتا ہے۔ ایک مجرم کی طرح اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے ہر قسم کی بہتان تراشیاں اور حیلہ سازیاں کرتے۔ لیکن قرآن کا دل ہلا دینے والا اسلوب انہیں کسی موقف پر جمنے نہ دیتا۔ اس لیے انہیں بار بار اپنا پینترا بدلنا پڑا"۔[23]

اعجازِ قرآن کے اس پہلو کو تقریباً ان تمام اہلِ قلم نے لکھا ہے جنہوں نے اس موضوع پر قلم کشائی کی ہے۔ سید شمس الحق افغانیؒ نے "علوم القرآن" میں اس پر تفصیلی کلام فرمایا ہے اور اعجاز القرآن کے بلاغی پہلو کو نہایت احسن انداز

---

[22]۔ تفہیم القرآن، ص:5/175، 176

[23]۔ ضیاء القرآن، ص:2/299، 300

میں پیش کیا اور اس پر مستشرقین کی جانب سے کیے گئے اعتراضات کے مُسکِت جوابات بھی دیئے۔ انسانی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ اہلِ عرب جنہیں اپنی فصاحت وبلاغت پر ناز تھا، انہوں نے بارہا مرتبہ کوشش کی لیکن پھر خود ہی اس نتیجے پر پہنچے کہ ان کا کلام قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مولانا افغانیؒ نے مسیلمہ کذاب، ابن الراوندی یہودی، اور متنبی کے کلام پیش کیے ہیں جس میں انہوں نے قرآن کا مثل لانے کی کوشش کی تھی۔[24]

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے "خصائص کبریٰ" میں بڑے بڑے عرب شعراء و ادباء کے واقعات نقل کیے ہیں کہ کس طرح انہوں نے قرآن کے اس چیلنج سے عاجزی کا اظہار کیا اور اپنی خاص محفلوں میں تمام لوگوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اس کلام کی مثل نہیں ہے اور ان میں سے منصف مزاج لوگ بنی عبد مناف کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اسلام قبول کرنے سے باوجود اعتراف کے محروم رہے۔ عرب کے قریش کی تاریخ میں ایسے بہت سارے واقعات ملتے ہیں جو اس پر گواہیں۔ ان میں سے کچھ کو بیان کر دینے سے اندازہ ہو سکے گا کہ عرب کے سارے لوگوں نے اس بات کو تسلیم کیا کہ یہ کلام بے مثل اور بے نظیر ہے۔ انہوں نے اس کی مثال اس لیے پیش نہیں کی تاکہ وہ خود رسوا نہ ہو جائیں۔

جب نبی اکرم ﷺ اور قرآن کریم کی شہرت مکہ مکرمہ کے علاوہ حجاز کے دوسرے مقامات پر ہونے لگی۔ حج کے موسم میں قریش مکہ کو اس بات کی فکر ہونے لگی کہ مختلف علاقوں سے حج کے لیے آنے والے لوگ نبی اکرم ﷺ کا یہ کلام سنیں گے تو غالب گمان یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ اس کی روک تھام کے لیے انہوں نے ایک اجلاس بلایا۔ اس اجلاس میں ان بڑے بڑے سردار بھی موجود تھے۔ ان سرداروں میں ولید بن مغیرہ کو سب سے بڑا عقل مند سمجھا جاتا تھا۔ سب نے ولید بن مغیرہ کے سامنے یہ بات رکھی تو اس نے کہا کہ تم ہی بتاؤ کہ کیا کرنا چاہیے۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ ہمارا خیال یہ ہے کہ ہم کہیں گے کہ محمد ﷺ معاذ اللہ پاگل ہیں اور ان کا کلام مجونانہ بڑ ہے۔ ولید بن مغیرہ کہنے لگا کہ ایسی بات کوئی بھی نہ کہے کیونکہ جب یہ لوگ ان سے ملاقات کریں گے اور ان کو فصیح و بلیغ عاقل انسان پائیں گے تو انہیں یقین ہو جائے گا کہ ہم سب نے جھوٹ بولا ہے۔ لوگ کہنے لگے کہ اگر ہم یہ بولیں کہ وہ شاعر ہیں تو ولید نے ایسا کہنے سے بھی منع کر دیا اور کہا کہ جب لوگ ان کا کلام سنیں گے تو انہیں پتا چل جائے گا کہ یہ شاعر

---

[24]۔ علوم القرآن، سید شمس الحق افغانی، المکتبۃ الاشرفیہ، لاہور، س-ن، ص: 23-40

نہیں ہیں کیونکہ لوگ شعر و شاعری کے ماہر ہیں۔ایسی صورت میں بھی لوگ ہمیں جھوٹا شمار کریں گے۔لوگ کہنے لگے کہ لوگوں کو ہم کہیں گے کہ یہ کاہن ہیں جو جنات و شیاطین سے خبریں لے کر غیب کی خبریں سناتے ہیں۔ولید کہنے لگا کہ یہ بھی ٹھیک نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ ان کا کلام سنیں گے تو جان جائیں گے کہ یہ کاہن نہیں ہیں۔ایسی صورت میں بھی تمہیں ہی جھوٹا شمار کیا جائے گا۔اس کے بعد ولید کہنے لگا:

"اللہ تعالیٰ کی قسم !تم میں سے کوئی آدمی شعر و شاعری اور اشعار عرب سے میرے برابر واقف نہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم !اس کلام میں خاص حلاوت ہے، اور ایک خاص رونق ہے جو میں کسی شاعر یا فصیح و بلیغ کے کلام میں نہیں پاتا"۔

پھر محفل میں موجود لوگ کہنے لگے کہ آپ ہی بتائیں ہم لوگوں کو کیا کہیں۔ولید نے کہا کہ میں سوچ کر جواب دوں گا۔پھر بہت زیادہ سوچنے کے بعد کہنے لگا کہ تم لوگوں کو کہنا کہ یہ ساحر ہیں کہ اپنے جادو سے رشتوں میں تفرقہ ڈال دیتے ہیں۔اسی بات پر سب متفق ہو گئے اور سب نے یہ ہی کہنا شروع کر دیا مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔حج کے موسم میں مختلف علاقوں سے لوگ آئے، قرآن سنا اور بہت سارے لوگ مسلمانوں ہو کر چلے گئے۔[25]

قریش کے ایک قبیلے کے سردار نضر بن حارث اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہنے لگا:

"اے قوم قریش، آج تم ایک مصیبت میں گرفتار ہو کہ اس سے پہلے کبھی ایسی مصیبت سے سابقہ نہیں پڑا تھا کہ محمد ﷺ تمہاری قوم کے ایک نوجوان تھے اور تم سب ان کے عادات واخلاق کے گرویدہ اور اپنی قوم میں ان کو سب سے زیادہ سچا اور سب سے زیادہ امانت دار جانتے اور کہتے تھے۔اب جب کہ ان کے سر میں سفید بال آنے لگے اور انہوں نے ایک بے مثال کلام اللہ کی طرف سے پیش کیا تو تم ان کو جادوگر کہنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم وہ جادوگر نہیں، ہم نے جادوگروں کو دیکھا اور برتا ہے، ان کے کلام سنے ہیں اور طریقوں کو سمجھا ہے وہ بالکل اس سے مختلف ہیں۔اور کبھی تم ان کو کاہن کہنے لگے، اللہ تعالیٰ کی قسم !وہ کاہن بھی نہیں، ہم نے بہت سے کاہنوں کو دیکھا اور ان کے کلام سنے ہیں، ان کو ان کے کلام سے کوئی مناسبت نہیں۔اور کبھی تم ان کو شاعر کہنے لگے، اللہ تعالیٰ کی قسم !وہ شاعر بھی نہیں، ہم نے خود شعر و شاعری کے تمام فنون کو سیکھا سمجھا ہے اور بڑے بڑے شعراء کے کلام ہمیں یاد ہیں، ان کے کلام

---

[25] ۔ الخصائص الکبریٰ، جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر سیوطی ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1405ھ، ص: 1/189-191

سے اس کو کوئی مناسبت نہیں۔ پھر کبھی تم ان کو مجنون بتاتے ہو، اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ مجنون بھی نہیں، ہم نے بہت سے مجنونوں کو دیکھا بھالا، ان کی بکواس سنی ہے، ان کے مختلف اور مختلط کلام سنے ہیں۔ یہاں یہ کچھ نہیں اے میری قوم! تم انصاف کے ساتھ ان کے معاملہ میں غور کرو، یہ سر سری ٹلا دینے کی چیز نہیں۔"[26]

حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن مجید کا اسلوب بدیع، اس کے جملوں کی ترتیب، اور الفاظ کا چناؤ اس قدر عمدہ اور منفرد ہے کہ عرب فصاحت وبلاغت کے شہسوار ہونے کے باوجود اس کا مثل لانے سے قاصر آ گئے۔

2۔حاملِ قرآن کا اُمّی ہونا

قرآن مجید جیسی فصیح وبلیغ کتاب جس کی فصاحت وبلاغت نے اہل لسان کو اس کی مثل لانے سے عاجز کر دیا۔ یہ کتاب ایک ایسے شخص پر نازل کی گئی جو نہ لکھنا پڑھنا جانتا تھا اور نہ اس نے کسی کے سامنے زانوائے تلمذ طے کیے تھے۔ چنانچہ اپنے اور پرائے سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ کسی کے شاگرد نہ تھے اور نہ رسمی تعلیمی مراحل میں آپ کو گزرنے کا موقعہ ملا تھا۔ بلکہ اس کے برعکس آپ ﷺ کی والد ماجد حضرت عبد اللہ آپ ﷺ کی ولادت سے پہلے ہی وفات پا گئے۔ سات سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی آپ ﷺ کے والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ آپ ﷺ کے آباء واجداد نہایت ہی سخی اور فیاض تھے، اُن کی اس خصوصیت کی بناء پر گھر میں کوئی جمع پونجی نہیں تھی، جس سے یتیم کی بہتر طریقے سے پرورش کی جاسکے۔ ایسے حالات میں آپ ﷺ نے اپنی عمر کا ابتدائی حصہ گزارا جو کہ تعلیم کا اصلی وقت تھا۔ ان حالات میں مکہ مکرمہ میں اگر کوئی تعلیمی ادارہ بھی ہوتا تو آپ ﷺ کے لیے اس میں تعلیم حاصل کرنا مشکل ہو جاتا۔ مگر وہاں تو اس طرح کے علمی مشاغل اور ان سے کوئی بندہ دلچسپی ہی نہیں رکھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس پوری قوم کو ہی عرب امیین کہا جاتا تھا۔ اس کا ضروری اور لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ آپ ﷺ ہر طرح کی تعلیم و تعلم سے بے خبر رہے۔ وہاں کوئی ایسا مشہور عالم بھی نہیں تھا کہ جس کی صحبت میں رہ کر وہ علوم حاصل کیے جاسکتے جو قرآن میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا معجزہ دکھانا تھا جو مافوق العادۃ ہو۔ نبی اکرم ﷺ کے لیے ایسے سامان کا خصوصی طور پر اہتمام کیا گیا۔ معمولی لکھنا پڑھنا جو تقریباً ہر بندہ کسی نہ کسی طریقہ سے سیکھ لیتا ہے، آپ ﷺ نے وہ بھی نہ سیکھا۔ آپ ﷺ بالکل ہی امی رہے کہ اپنا اسم گرامی تک نہ لکھ سکتے تھے۔ عرب میں جو

[26]۔ الخصائص الکبریٰ، ص: 1/191، 192

خاص فن مشہور تھا وہ شعر و سخن تھا جس کے لیے خصوصی طور پر اجتماعات کیے جاتے تھے اور ایسے اجتماعات میں ہر بندہ حصہ لینے کی کوشش کرتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کو ان چیزوں میں بھی کو رغبت نہ تھی۔

آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے چالیس اپنی برادری میں گزارے۔ ان سالوں میں آپ ﷺ نے کسی دوسرے ملک کا سفر بھی نہیں، جس سے یہ گمان پیدا ہو کہ آپ ﷺ نے وہاں جا کر علوم حاصل کر لیے ہوں گے۔ ان چالیس سالوں میں صرف ملک شام کے دو تجارتی اسفار شامل ہیں۔ وہ اسفار بھی اتنے مختصر تھے کہ ان میں ان چیزوں کا احتمال بھی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ چالیس سال گزرنے کے بعد آپ ﷺ کی زبان مبارک ایسا کلام جاری ہوا جسے قرآن کریم کہا جاتا ہے۔ یہ کلام اپنی لفظی فصاحت و بلاغت اور معنوی علوم و فنون کے اعتبار سے عقلوں کو حیران کرنے والا تھا۔ اس کا عقلوں کو حیران کر دینا ہی اس کے معجزہ ہونے کے لیے کافی تھا مگر یہاں اسی پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ اس نے ساری دنیا کو چیلنج کر دیا کہ اگر کسی کو شک ہے کہ یہ کلام الٰہی نہیں ہے تو اس کی مثل کلام بنا کر لائے۔ اعجاز القرآن کا یہ پہلو تینوں مفسرین نے بیان کیا ہے۔

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

"نبی کریم ﷺ ان پڑھ تھے۔ آپ کے اہل وطن اور رشتہ دار جن کے درمیان روز پیدائش سے سن کہولت کو پہنچنے تک آپ کی ساری زندگی بسر ہوئی تھی، اس بات سے خوب واقف تھے کہ آپ نے عمر بھر نہ کبھی کوئی کتاب پڑھی، نہ کبھی قلم ہاتھ میں لیا۔ اس امر واقعہ کو پیش کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ کتب آسمانی کی تعلیمات، انبیاءِ سابقین کے حالات، مذاہب و ادیان کے عقائد، قدیم قوموں کی تاریخ و تمدن، اخلاق و معیشت کے اہم مسائل پر جس وسیع اور گہرے علم کا اظہار اس امی کی زبان سے ہو رہا ہے یہ اس کو وحی کے سوا کسی دوسرے ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر اس کو نوشت و خواند کا علم ہوتا اور لوگوں نے کبھی اسے کتابیں پڑھتے اور مطالعہ و تحقیق کرتے دیکھا ہوتا تو باطل پرستوں کے لیے یہ شک کرنے کی کچھ بنیاد ہو بھی سکتی تھی کہ یہ کلام علمِ وحی سے نہیں بلکہ اخذ و اکتساب سے حاصل شدہ ہے۔ لیکن اس کے امی ہونے نے تو ایسے کسی شک کے لیے برائے نام بھی کوئی بنیاد باقی نہیں چھوڑی ہے۔ اب خالص ہٹ دھرمی کے سوا اس کے من جانب اللہ ہونے کے انکار کی اور کوئی وجہ نہیں ہے

جسے کسی درجہ میں بھی معتبر سمجھا جاسکتا ہو"۔[27]

ازہریؒ نے بھی اعجاز قرآنی کے اس پہلو کو واضح کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

" اعلان نبوت سے پہلے کا چالیس سالہ دور آپ نے ان لوگوں کے سامنے گزارا ہے۔ ان سب کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اس دوران نہ آپ نے کبھی کسی کتاب کا مطالعہ کیا اور نہ کبھی کچھ لکھا۔ اگر آپ کو پہلے کتابوں کے مطالعہ اور لکھنے کا شغف ہوتا تو کوئی یہ شبہ کرنے میں حق بجانب ہو سکتا تھا کہ سب کچھ انہیں کتابوں سے لیا گیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان شکوک وشبہات سے پاک رکھا۔ اب کوئی یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ یہ آپ کا اپنا کلام ہے بلکہ یقیناً یہ وہ کلام الٰہی ہے جو اس نے آپ پر اتارا ہے۔ صرف ظالم لوگ ہی اس درخشاں حقیقت کا انکار کر سکتے ہیں"۔[28]

مولانا کاندھلویؒ نے اس موقعہ پر حضور اکرم ﷺ کے امی ہونے کے بارے میں یہود و نصاری اور ان کے پیروکاروں کے جو شکوک وشبہات تھے ان کے جوابات دیئے ہیں اور عقلی طور پر یہ بات ثابت کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ امی تھے، لیکن اس کے باوجود اس قسم کی عظیم کتاب کا تحفہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ من جانب اللہ ہے اور ایک واضح معجزہ ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔[29]

حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن مجید کے اعجاز کے مختلف پہلوؤں میں ایک اہم ترین پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ امی ہونے کے باوجود ایسا کلام تلاوت فرماتے ہیں کہ عرب کے بڑے بڑے فصیح و بلیغ اس کی مثل لانے سے عاجز ہیں۔ یہ قرآن مجید کا ایک ایسا اعجاز ہے کہ اس کا ادراک ہر عام و خاص کر سکتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے اُمّی ہونے کے بارے میں متعارض روایات اور شبہات

قرآنِ مجید اور صحیح روایات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضور اکرم ﷺ اُمّی تھے۔ آپ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے سے امی رکھا، نہ کچھ لکھا ہوا پڑھ سکتے تھے، نہ خود کچھ لکھ سکتے تھے اور عمر کے چالیس سال اسی حال میں تمام اہل مکہ کے سامنے گذارے۔ آپ کا میل جول اہل کتاب سے بھی کبھی نہیں ہوا کہ ان

27۔ تفہیم القرآن، ص: 3/711، 712

28۔ ضیاء القرآن، ص: 3/540

29۔ معارف القرآن، ص: 6/113- 117

سے کچھ سن لیتے۔ کیونکہ مکہ میں اہل کتاب نہیں تھے۔ چالیس سال ہونے پر یکایک آپ کی زبان مبارک سے ایسا کلام جاری ہونے لگا جو اپنے مضامین اور معانی کے اعتبار سے بھی معجزہ تھا اور لفظی فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے بھی۔

لیکن بعض حضرات نے بعض احادیث نبویہ اور تاریخی روایات کی بنیاد پر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ آپ کا امی ہونا ابتداء میں تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو لکھنا پڑھنا سکھا دیا تھا۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات اور شبہات کا جائزہ لیا جائے جنہیں یہ حضرات اپنے موقف کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔

مولانا مودودیؒ نے اس سلسلہ میں دو روایات پیش کی ہیں جن سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ امی نہ تھے بلکہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ایک روایت صلح حدیبیہ کے موقعہ پر صلح نامہ لکھنے سے متعلق ہے جو بخاری اور مسلم میں موجود ہے جبکہ دوسری روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود ہے۔ روایات پر تبصرہ کرنے سے قبل ضروری ہے کہ ان روایات کے الفاظ ذکر کیے جائیں تاکہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔

1۔"عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ: حَدَّثَنِي البَرَاءُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيه وَسَلَّمَ لَمَّا أَرَادَ أَنْ يَعْتَمِرَ أَرْسَلَ إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ يَسْتَأْذِنُهُمْ لِيَدْخُلَ مَكَّةَ، فَاشْتَرَطُوا عَلَيه أَنْ لاَ يُقِيمَ بِهَا إِلَّا ثَلاَثَ لَيَالٍ، وَلاَ يَدْخُلَهَا إِلَّا بِجُلُبَّانِ السِّلاَحِ، وَلاَ يَدْعُوَ مِنْهُمْ أَحَدًا، قَالَ: فَأَخَذَ يَكْتُبُ الشَّرْطَ بَيْنَهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فَكَتَبَ هَذَا مَا قَاضَى عَلَيه مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، فَقَالُوا: لَوْ عَلِمْنَا أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ لَمْ نَمْنَعْكَ وَلَبَايَعْنَاكَ، وَلكِنِ اكْتُبْ هَذَا مَا قَاضَى عَلَيه مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، فَقَالَ: أَنَا وَاللَّهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، وَأَنَا وَاللَّهِ رَسُولُ اللَّهِ قَالَ: وَكَانَ لاَ يَكْتُبُ، قَالَ: فَقَالَ لِعَلِيٍّ: امْحَ رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ عَلِيٌّ: وَاللَّهِ لاَ أَمْحَاهُ أَبَدًا، قَالَ: فَأَرِنِيهِ، قَالَ: فَأَرَاهُ إِيَّاهُ فَمَحَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيه وَسَلَّمَ بِيَدِهِ، فَلَمَّا دَخَلَ وَمَضَتِ الأَيَّامُ، أَتَوْا عَلِيًّا، فَقَالُوا: مُرْ صَاحِبَكَ فَلْيَرْتَحِلْ، فَذَكَرَ ذَلِكَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيه وَسَلَّمَ، فَقَالَ: نَعَمْ ثُمَّ ارْتَحَلَ۔"[30]

"حضرت ابو اسحاق حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کا ارادہ کر کے اہل مکہ کے پاس آدمی بھیجا اور مکہ میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی تو انہوں نے شرط لگائی کہ مکہ میں تین

---

[30] ۔ الجامع الصحیح البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، کتاب الجزیۃ، باب المصالحۃ علی ثلاثۃ ایام، او وقت معلوم، دار طوق النجاۃ ، دمشق، ۱۴۲۲ھ، رقم الحدیث: 3184، ص: 8/ 225

رات سے زیادہ نہ ٹھہریں اور غلاف پوش ہتھیاروں کے بغیر وہاں داخل نہ ہوں اور کسی کو دین اسلام کی دعوت نہ دیں۔ اس معاہدہ کو حضرت علی بن ابی طالب لکھنے لگے کہ یہ وہ معاہدہ ہے جس کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ نے صلح کی ہے تو ان مشرکوں نے کہا کہ اگر ہم یہ جان لیتے کہ تم اللہ کے رسول ہو تو تم کو ہرگز منع نہ کرتے بلکہ تمہاری بیعت بھی کر لیتے۔ لہٰذا یہ عبارت لکھوایئے کہ یہ وہ تحریر ہے جس کے ذریعہ محمد بن عبد اللہ نے صلح کی ہے۔ سرورِ عالم نے فرمایا اللہ کی قسم! میں محمد بن عبد اللہ ہوں لیکن اللہ کا رسول بھی ہوں۔ حضرت براء بن عازب کا بیان ہے کہ سرورِ عالم خود نہیں لکھنا جانتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لفظ رسول کاٹ دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا واللہ میں تو اس کو کبھی نہ کاٹوں گا۔ فرمایا اچھا مجھے دکھاؤ۔ چنانچہ آپ ﷺ کو دکھایا گیا تو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس کو مٹا دیا۔ پھر آپ ﷺ مکہ تشریف لے گئے اور جب وہاں تین دن گزر گئے تو ان مشرکین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہا کہ اب تم اپنے آقا سے کہو کہ وہ تشریف لے جائیں تو میں نے سرورِ عالم ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ٹھیک ہے اس کے بعد آپ ﷺ وہاں سے تشریف لے آئے۔"

2۔حدثنا مُجَالِدُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنِي عَوْنُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِيه قَالَ: مَا مَاتَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتَّى كَتَبَ وَقَرَأَ۔ [31]

"حضرت مجالد بن سعیدؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عون بن عبد اللہؒ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: آپ ﷺ اپنی وفات سے پہلے لکھنا پڑھنا سیکھ چکے تھے۔"

ان دو روایات کو ذکر کرنے کے بعد سید مودودیؒ ان میں سے پہلی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ روایت صحیحین میں مختلف مقامات پر متعدد طرق کے ساتھ مروی ہے اور ہر جگہ پر اس کے الفاظ میں ایسا اختلاف ہے جس کی وجہ سے روایت کے معنی پر اثر پڑتا ہے۔ اس لیے سید مودودیؒ اس روایت کو مضطرب شمار کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں یہ روایت براء بن عازب سے بخاری میں چار جگہ اور مسلم میں دو جگہ وارد ہوئی ہے اور ہر جگہ الفاظ مختلف ہیں:

31۔ السنن الکبریٰ، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بیہقی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۲۴ھ، کتاب النکاح، باب لم یکن لہ ان یتعلم شعر اولا یکتب، رقم الحدیث: 13290، ص: 7/68 (امام بیہقی نے اس حدیث کو منقطع کہا ہے۔ بحوالہ السنن الکبریٰ، بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1410ھ، ص: 7/68)۔

1۔ بخاری، کتاب الصلح میں ایک روایت کے الفاظ وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔

2۔ اسی کتاب میں دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"ثُمَّ قَالَ لِعَلِيٍّ:امْحُ رَسُولُ اللَّهِ، قَالَ: لاَ وَاللَّه لاَ أَمْحُوكَ أَبَدًا، فَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيه وَسَلَّمَ الكِتَابَ، فَكَتَبَ هَذَا مَا قَاضَى عَلَيه مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ-"[32]

"پھر حضرت علی سے کہا "رسول اللہ" کاٹ دو۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم میں آپ کا نام کبھی نہ کاٹوں گا۔ آخر حضور ﷺ نے تحریر لے کر لکھا یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد بن عبد اللہ نے طے کیا۔"

3۔ تیسری روایت انہی براء بن عازبؓ سے بخاری، کتاب الجزیہ میں یہ ہے:

"وَكَانَ لاَ يَكْتُبُ، قَالَ: فَقَالَ لِعَلِيٍّ: امْحَ رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ عَلِيٌّ: وَاللَّهِ لاَ أَمْحَاهُ أَبَدًا، قَالَ: فَأَرِنِيه، قَالَ: فَأَرَاهُ إِيَّاهُ فَمَحَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيه وَسَلَّمَ بِيَدِهِ-"[33]

"حضور ﷺ خود نہ لکھ سکتے تھے۔ آپ نے حضرت علی سے کہا رسول اللہ کاٹ دو۔ انہوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کی قسم میں یہ الفاظ ہرگز نہ کاٹوں گا۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا مجھے وہ جگہ بتاؤ جہاں یہ الفاظ لکھے ہیں۔ انہوں نے آپ کو جگہ بتائی اور آپ نے اپنے ہاتھ سے وہ الفاظ کاٹ دیئے۔"

4۔ چوتھی روایت بخاری، باب عمرۃ القضا میں یہ ہے:

"فَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيه وَسَلَّمَ الكِتَابَ، وَلَيْسَ يُحْسِنُ يَكْتُبُ، فَكَتَبَ: هَذَا مَا قَاضَى عَلَيه مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ-"[34]

"پس حضور ﷺ نے وہ تحریر لے لی جبکہ آپ لکھنا نہ جانتے تھے اور آپ نے لکھا یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد بن عبد اللہ نے طے کیا۔"

32۔ صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب کیف یکتب ھذا ما صالح فلان بن فلان، وفلان بن فلان، وان لم ینسبہ إلی قبیلتہ أو نسبہ، رقم الحدیث: 2699، ص: 7/39

33۔ ایضاً، کتاب الجزیۃ، باب المصالحۃ علی ثلاثۃ ایام، اووقت معلوم، رقم الحدیث: 3184، ص: 8/225

34۔ صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء، رقم الحدیث: 4251، ص: 10/311

5۔ نیز حضرت براء بن عازب ہی سے مسلم، کتاب الجہاد، باب صلح الحدیبیہ میں ایک طریق سے یہ روایت یوں ہے:

"فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيه وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ: امْحُهُ، فَقَالَ: مَا أَنَا بِالَّذِي أَمْحَاهُ، فَمَحَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيه وَسَلَّمَ بِيَدِهِ۔"[35]

"حضرت علی کے انکار کرنے پر حضور نے ﷺ اپنے ہاتھ سے "رسول اللہ" کے الفاظ مٹا دیئے۔"

6۔ دوسرے طریق میں ہے:

"فَأَمَرَ عَلِيًّا أَنْ يَمْحَاهَا، فَقَالَ عَلِيٌّ: لَا وَاللهِ، لَا أَمْحَاهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيه وَسَلَّمَ: أَرِنِي مَكَانَهَا، فَأَرَاهُ مَكَانَهَا فَمَحَاهَا وَكَتَبَ ابْنُ عَبْدِ اللهِ۔"[36]

"حضور نے حضرت علی سے فرمایا مجھے بتاؤ رسول اللہ کا لفظ کہاں لکھا ہے؟ حضرت علی نے آپ ﷺ وہ جگہ بتائی اور آپ نے اسے مٹا کر ابن عبد اللہ لکھ دیا۔"[37]

تحقیق و تجزیہ

مذکورہ بالا روایت کے سارے طرق صحیحین میں موجود ہیں جن کی سند پر تو کلام نہیں البتہ اگر ان طرق کے متون میں غور کریں تو روایات کے الفاظ میں اختلاف بہر حال ایسا مضبوط قرینہ ہے کہ اس کی موجودگی میں حضور اکرم ﷺ کے خواندہ ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

سید مودودیؒ ان طرق پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"روایات کا یہ اضطراب صاف بتا رہا ہے کہ بیچ کے راویوں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے الفاظ جوں کے توں نقل نہیں کیے ہیں، اسی لیے ان میں سے کسی ایک کی نقل پر بھی ایسا مکمل اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ یقینی طور پر یہ کہا جا سکے کہ حضور نے "محمد بن عبد اللہ" کے الفاظ اپنے دست مبارک ہی سے لکھے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ صحیح صورت واقعہ

35۔ الجامع الصحیح المسلم، مسلم بن حجاج قشیری النیشاپوری، کتاب الجہاد والسیر، باب صلح الحدیبیۃ فی الحدیبیۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، س ن، رقم الحدیث: 3335، ص: 9 / 256

36۔ ایضاً، رقم الحدیث: 3336، ص: 9 / 257

37۔ تفہیم القرآن، ص: 3/713، 714

یہ ہو کہ جب حضرت علی نے "رسول اللہ" کا لفظ مٹانے سے انکار کر دیا تو آپ نے اس کی جگہ ان سے پوچھ کر یہ لفظ اپنے ہاتھ سے مٹا دیا ہو اور پھر ان سے یا کسی دوسرے کاتب سے ابن عبداللہ کے الفاظ لکھوا دیئے ہوں۔ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر صلح نامہ دو کاتب لکھ رہے تھے۔ ایک حضرت علی، دوسرے محمد بن مسلمہ۔ اس لیے یہ امر بعید نہیں ہے کہ جو کام ایک کاتب نے نہ کیا تھا وہ دوسرے کاتب سے لے لیا گیا ہو۔ تاہم اگر واقعہ یہی ہو کہ حضور نے اپنا نام اپنے ہی دست مبارک سے لکھا ہو، تو ایسی مثالیں دنیا میں بکثرت پائی جاتی ہیں کہ ان پڑھ لوگ صرف اپنا نام لکھنا سیکھ لیتے ہیں باقی کوئی چیز نہ پڑھ سکتے ہیں نہ لکھ سکتے ہیں۔"[38]

یہ تو پہلی روایت کے بارے میں بحث تھی۔ دوسری روایت کے بارے میں امام بیہقی خود فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"فَهَذَا حَدِيثٌ مُنْقَطِعٌ وَفِي رُوَاتِهِ جَمَاعَةٌ مِنَ الضُّعَفَاءِ وَالْمَجْهولِينَ-"[39]

"یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ اس کے رواۃ میں ضعیف اور مجہول راویوں کی ایک جماعت موجود ہے۔"

ابن کثیرؒ نے اس روایت کے بارے میں لکھا ہے:

"وَمَا أَوْرَدَهُ بَعْضُهُمْ مِنَ الْحَدِيثِ أَنَّهُ لَمْ يَمُتْ، عَلَيه السَّلَامُ حَتَّى تَعَلَّمَ الْكِتَابَةَ، فَضَعِيفٌ لَا أَصْلَ لَه-"[40]

"اور بعض اصحابِ حدیث جو یہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ وفات سے قبل کتابت سیکھ چکے تھے۔ تو یہ روایت ضعیف ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں۔"

سید مودودیؒ اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس کی کمزوری یوں بھی واضح ہے کہ اگر حضور نے فی الواقع بعد میں لکھنا پڑھنا سیکھا ہوتا تو یہ بات مشہور ہو جاتی، بہت سے صحابہ اس کو روایت کرتے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ حضور نے کس شخص یا کن اشخاص سے یہ تعلیم حاصل کی تھی۔ لیکن سوائے ایک عون بن عبداللہ کے جن سے مجاہد نے یہ بات سنی اور کوئی شخص اسے روایت نہیں کرتا۔

---

[38]۔ تفہیم القرآن، ص: 3/714

[39]۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، ص: 7/68

[40]۔ تفسیر القرآن العظیم، ابو الفداء عماد الدین اسمعیل بن عمر ابن کثیر، مکتبہ دار السلام، ریاض، 1994ء، ص: 6/286

اور یہ عون بھی صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں جنہوں نے قطعاً یہ نہیں بتایا کہ انہیں کس صحابی یا کن صحابیوں سے اس واقعہ کا علم حاصل ہوا۔ ظاہر ہے کہ ایسی کمزور روایتوں کی بنیاد پر کوئی ایسی بات قابل تسلیم نہیں ہو سکتی جو مشہور و معروف واقعات کی تردید کرتی ہو"۔[41]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس سے بھی بڑھ کر یہ بات ہے کہ یہ اور اس قسم کی روایات یا تو ضعیف ہیں اور سرے سے ثابت ہی نہیں یا پھر وہ اس مدعی پر صراحۃً دلالت نہیں کرتیں، جبکہ اس کے برعکس حضور اکرم ﷺ کے امی ہونے پر قرآن مجید کی سورۃ العنکبوت کی آیت:

"وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ-"[42]

"اور تم اس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے، اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو باطل والے مین میخ نکال سکتے تھے۔"

اور کثیر تعداد میں صحیح اور صریح روایات موجود ہیں جن کی موجودگی میں اس قسم کی روایت قابلِ اعتناء نہیں۔

اس بحث کے بارے میں روایات کے تعارض اور اس کے حل کے بارے میں صرف صاحب تفہیم القرآن نے کلام کیا ہے۔ البتہ دیگر تاریخی شواہد اور عقلی اعتراضات کا جائزہ مولانا کاندھلویؒ نے عمدہ انداز میں پیش کیا ہے جبکہ ازہریؒ نے اس مقام پر اس بارے میں کوئی بحث نہیں کی۔

حضور اکرم ﷺ کے اُمّی ہونے پر شبہات کا عقلی جائزہ

جیسا کہ سابقہ بحث میں گزرا کہ کچھ روایات کی وجہ سے غلط فہمی کی وجہ سے ناقدین اسلام نے یہ مؤقف اپنالیا کہ حضور اکرم ﷺ امی نہ تھے بلکہ آپ ﷺ پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ جہاں اس غلط فہمی کی بنیاد وہ چند روایات تھیں جن کا تعلق صلح حدیبیہ کے معاہدہ سے تھا وہاں بعض حضرات عقلی طور پر بھی اسے ثابت کرنے کوشش کرتے رہے۔ تفسیری ادب میں ان دونوں پہلوؤں سے ان شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔

مولانا کاندھلویؒ نے عقلی لحاظ سے جس انداز سے آپ ﷺ کی امومیت کو ثابت کیا ہے وہ دلچسپ اور قابل ذکر

---

[41]۔ تفہیم القرآن، ص: 715/3

[42]۔ سورۃ العنکبوت:29 / 48

ہے۔ اس مدعا کو بیان کرتے ہوئے مولانا کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

"اہل کتاب حضور اکرم ﷺ کے امی ہونے کے قائل نہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ تعلیم یافتہ، لکھے اور پڑھے تھے۔ اس کا سادہ سا جواب تو یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو تاریخی حیثیت سے آپ کے استاد اور معلم کا نام معلوم و معروف ہوتا جس نے آپ ﷺ کو ان علوم و معارف کی تعلیم دی جن سے قرآن اور حدیث بھرا پڑا ہے۔ درایت کی رو سے درج ذیل نکات اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ ناخواندہ تھے حتی کہ عمر کے آخری حصہ میں بھی لکھنا پڑھنا نہ سیکھا تھا"۔ [43]

مولانا کاندھلویؒ نے عقلی انداز میں مختلف انداز سے اس بات کو ثابت کیا ہے جن کا حاصل یہ ہے کہ:

1۔ ایک ایسا شخص جس کے علم کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی ہو، اور ان کی ساری زندگی، سفر وحضر سب کے سامنے ہو اور کوئی ایسا شخص ان کے علم میں نہ ہو جن سے آپ ﷺ علم حاصل کرتے ہوں، اس کے باوجود یہ دعوی بلا دلیل ہے کہ آپ ﷺ امی نہیں ہیں بلکہ خواندہ ہیں۔ پھر اگر ان کے پاس اس دعوی کی کوئی دلیل ہوتی اور ان کے نوٹس میں کوئی ایسا فرد ہوتا جو آپ ﷺ کو تعلیم دیتا ہے تو مشرکین مکہ ضرور اس کا نام بتاتے اور اس کے بارے میں ہر طرح کا پروپیگنڈا کرتے۔

2۔ اگر کسی طرح اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ آپ ﷺ کو خفیہ طور پر کوئی سکھانے والا ہے تو ایسا ہرگز ممکن نہیں کہ مشرکین مکہ جو آپ ﷺ کا سخت پہرا کرنے والے اور آپ ﷺ کے پاس آنے جانے والے ہر شخص پر نظر رکھنے والے تھے، انہیں اس خفیہ استاد کا علم نہ ہو۔

3۔ اور اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ اس خفیہ استاد کا کسی کو علم نہ ہوا اور بہت ہی رازداری سے آپ ﷺ نے اس سے علم حاصل کر لیا، تو لا محالہ جس کے پاس علم کے اس قدر خزانے ہیں یقیناً اس کے پاس ایک بڑا کتب خانہ اور دیگر اسباب علم ہوں گے جن کا اہل مکہ سے پوشیدہ رہنا ممکن نہیں ہے۔

4۔ پھر سب کچھ تسلیم کرنے کے بعد یہ ممکن نہیں کہ آپ ﷺ کو سب کچھ سکھلانے والا کبھی سامنے نہ آئے کہ تمہیں یہ جو اولین و آخرین کی خبریں سناتے ہیں اس کا مرجع میں ہوں، ان سے زیادہ قابل فخر تو میں ہوں، جبکہ ایسا کچھ بھی

43۔ معارف القرآن، ص: 120/6

نہیں ہوا۔

5۔ پھر اگر وہ معلم مشرکین میں سے تھا تو اس نے توحید اور شرک کے ابطال کا درس کیسے دیا؟ اور اگر وہ معلم یہود میں سے تھا تو اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے فضائل و مناقب اور ان کی پاکدامنی کی تعلیم کیسے دی، اور اگر وہ معلم عیسائی تھا تو اس نے تثلیث، الوہیت عیسیٰ کا ابطال اور حضرت مسیح کے مقتول و مصلوب ہونے کی تردید اور ان کے آسمان پر جانے کی تعلیم کیسے دی؟[44]

ان دلائل سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ حضور اکرم ﷺ امی تھے۔ آپ ﷺ کو علم براہِ راست وحی کے ذریعے دیا جاتا تھا۔ اس روئے زمین پر آپ ﷺ کا کوئی استاد نہ تھا جو آپ ﷺ کو تعلیم دیتا۔ اس کے باوجود آپ ﷺ کا قرآن مجید جیسی کتاب کی تلاوت کرنا یہ بذات خود قرآن مجید کا معجزہ ہے جس کا عقلی لحاظ سے انکار مکابرہ کے سوا کچھ نہیں۔

3۔ قرآنِ مجید کے الفاظ و معانی کا محفوظ ہونا

قرآن مجید نے یہ اعلان کیا ہے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ-"[45]

"بے شک ہم نے ہی ذکر (قرآن مجید) اتارا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

قرآن کریم ہمیشہ کے لیے بغیر کسی تبدیلی کے باقی رہنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ یوں پورا ہوا ہے کہ جب سے قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا ہے اس دور سے لے اب تک ہر زمانے میں ایسے لاکھوں افراد رہے ہیں جنہوں اس کو زبانی یاد کر لیا۔ دنیا کا کوئی بھی مذہب اس کی مثل تو کیا اس کا دسواں بھی پیش کرنے سے قاصر ہے۔ بہت سارے مذاہب ایسے ہیں جن کی مقدس کتب کے بارے میں یہ بھی پتا نہیں ہے کہ ان کی اصل کس زبان میں تھی اور ان کے کتنے کتنے اجزاء تھے۔ قرآن کریم کی حفاظت کو صرف کتب اور صحف پر موقوف نہیں رکھا گیا کہ جن ضائع ہونے اور جل جانے کا ڈر ہو بلکہ انسانوں کے سینوں میں بھی محفوظ کر دیا گیا۔ آج اگر ساری دنیا سے کتابی شکل کے قرآن کریم (

---

[44]۔ معارف القرآن، ص:6/120، 121

[45]۔ سورۃ الحجر:15/9

معاذ اللہ) ضائع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی یہ مقدس کتاب پھر بھی محفوظ رہے گی۔

اگر آج ساری دنیا کے قرآن (معاذ اللہ) نابود کر دیئے جائیں تو اللہ کی یہ کتاب پھر بھی اسی طرح محفوظ رہے گی۔ یہ بے نظیر حفاظت بھی صرف قرآن ہی کا خاصہ اور اس کے کلام الٰہی ہونے کا نمایاں ثبوت ہے کہ جس طرح اللہ کی ذات ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، اس پر کسی مخلوق کا تصرف نہیں چل سکتا، اسی طرح اس کا کلام بھی ہمیشہ تمام مخلوقات کے تصرفات سے بالاتر ہو کر ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ اس کھلے معجزے کے بعد قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں کیا کسی کو شک وشبہ کی گنجائش رہ سکتی ہے؟

اعجازِ قرآن کے اس پہلو کو جابجا تینوں مفسرین نے بیان کیا ہے، مولانا کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

"اس قرآن کے بارہ میں کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں بلکہ یہ قرآن تو کتاب الٰہی کی روشن آیتیں ہیں جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں۔ بالفرض اگر دنیا کے تمام قرآن گم ہو جائیں تو ہر شہر میں حافظوں کے سینوں سے دوبارہ لکھا جا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے اس امت کے اوصاف میں یہ آیا ہے "صُدُورُهُمْ اَناجِيْلُهُمْ" "یعنی ان کے سینے ہی ان کی انجیل ہوں گے۔" یعنی نبی آخر الزمان ﷺ پر جو کتاب نازل ہو گی وہ اس امت کے سینوں میں محفوظ ہو گی۔ چنانچہ زمین کے ہر خطہ میں اس کے بے شمار حافظ موجود ہیں اور پورا قرآن لفظ بلفظ ان کے سینوں میں محفوظ ہے اور توریت وانجیل کے تو کسی ایک باب کا بھی آج تک روئے زمین پر کوئی کچاپکا حافظ بھی نہیں ہوا۔ جو چیز کاغذوں میں لکھی ہوئی ہو تو اس میں یہ احتمال ہے کہ پانی سے اس کے حروف دھل جائیں یا مٹ جائیں یا آگ سے جل جائیں لیکن جو چیز ہزاروں اور لاکھوں سینوں میں محفوظ ہو اس کے ضائع ہونے کا کوئی امکان نہیں"۔[46]

اعجاز القرآن کے اس پہلو کو ازہریؒ دلچسپ ادبی اسلوب میں اس طرح پیش کرتے ہیں:

"آج چودہ صدیاں قریب الاختتام ہیں اور دشمنان اسلام کی خواہشوں، کوششوں اور سازشوں کے باوجود ایک آیت میں بھی ردوبدل نہیں ہو سکا۔ ایک نقطہ کی کمی بیشی اور زیروزبر کا فرق بھی تو نہیں ہوا۔ آج بھی لاکھوں انسان اسے اپنے سینوں میں محفوظ کیے ہوئے ہیں ۔ مذہبی صحائف جو دنیا کی مختلف قوموں کی عقیدت کا مرکز ہیں، ان کے ماننے والوں کا بھی یہ دعویٰ نہیں کہ ان کے مذہبی صحیفے ہر قسم کے ردوبدل سے پاک ہیں۔ صرف قرآن کریم کا یہ دعویٰ

---

[46]۔ معارف القرآن، ص:6/117، 118

ہے: "لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ۔"[47] "کہ باطل اس میں کسی جانب سے داخل نہیں ہو سکتا۔" اور ان چودہ صدیوں کے طویل عرصہ میں اسلام کا کوئی بدترین بدخواہ بھی یہ ثابت نہیں کر سکا کہ اس میں کوئی تحریف ہوئی ہو، یورپ کے مستشرقین جنھوں نے اپنے وسیع علم، بے عدیل ذہانت اور طویل عزیز عمریں قرآن کے اس دعویٰ کو غلط ثابت کرنے کے لیے صرف کیں، وہ بھی آخر کار یہ ماننے پر مجبور ہو گئے کہ یہ کتاب ہر قسم کی تحریف اور تغیر سے پاک ہے۔"[48]

قرآن مجید کی حفاظت اور آج تک اس میں کسی ایک نقطہ کا ردوبدل نہ ہونا اور لاکھوں حفاظ کے سینوں میں اس کا محفوظ ہو جانا یقیناً ایک خدائی امر ہے جو بظاہر انسانی اہتمام و انتظام سے ماوراء ہے۔ یہ ایک واضح اور روشن معجزہ ہے جس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی اور نہ قیامت تک اس کا امکان باقی ہے۔

4۔ قرآنِ مجید کا انقلابی اور پرسوز و تاثیر پہلو

قرآن صرف فصاحت و بلاغت میں ہی بے مثال نہیں بلکہ لوگوں کے دل و دماغ پر اس کی تاثیرات اس سے زیادہ بے مثال اور حیرت انگیز ہیں جن کی وجہ سے قوموں کے مزاج بدل گئے اور اخلاقیات کی دنیا کی کایا پلٹ گئی۔ عرب کے تندخو گنوار، علم و اخلاق اور علم و حکمت کے استاذ مانے گئے۔ ان حیرت انگیز انقلابی تاثیرات کا اقرار صرف مسلمانوں نے ہی نہیں کیا بلکہ موجودہ زمانے کے سینکڑوں غیر مسلموں نے بھی کیا ہے۔ اور یورپ کے مستشرقین کی تحریرات کا ایک بڑا ذخیرہ اس پر موجود ہے[49]

تمدن عرب میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ اسلام کے پیغمبر اور اس امی نبی کی بھی حیرت انگیز سرگذشت ہے جس کی آواز کسی ملک گیر کے زیر حکومت نہ آنے والی قوم رام ہوئی اور اس درجہ تک پہنچی کہ اس بڑی بڑی عالمی حکومتوں کو زیر و زبر کر دیا اور اس وقت بھی وہی امی نبی اپنے مزار کے اندر سے کروڑوں اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اسلام پر قائم

---

[47]۔ سورۃ حٰم السجدۃ: 42/41

[48]۔ ضیاء القرآن، ص: 2/531، 532

[49]۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اس موضوع پر "شہادۃ الاقوام علیٰ صدق الاسلام" کے نام سے ایک مستقل کتاب تحریر فرمائی ہے۔

رکھے ہوئے ہیں۔[50]

سید مودودیؒ قرآنِ مجید کے اس انقلابی پہلو کی کچھ اس طرح تصویر کشی کرتے ہیں:

"یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جس نے نوع انسانی کے افکار، اخلاق، تہذیب اور طرز زندگی پر اتنی وسعت، اتنی گہرائی اور اتنی ہمہ گیری کے ساتھ اثر ڈالا ہے کہ دنیا میں اسکی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ پہلے اس کی تاثیر نے ایک قوم کو بدلا اور پھر اس قوم نے اٹھ کر دنیا کے ایک بہت بڑے حصے کو بدل ڈالا۔ کوئی دوسری کتاب ایسی نہیں ہے جو اس قدر انقلاب انگیز ثابت ہوئی ہو۔ یہ کتاب صرف کاغذ کے صفحات پر لکھی نہیں رہ گئی ہے بلکہ عمل کی دنیا میں اس کے ایک ایک لفظ نے خیالات کی تشکیل اور ایک مستقل تہذیب کی تعمیر کی ہے۔ 14 سو برس سے اس کے ان اثرات کا سلسلہ جاری ہے، اور روز بروز اس کے یہ اثرات پھیلتے چلے جا رہے ہیں"۔[51]

مولانا کاندھلویؒ قرآن مجید کے اعجاز کے اس پہلو کو اس انداز سے بیان کرتے ہیں:

" ہر عمل کی ایک خاص خاصیت ہوتی ہے۔ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے جو دل کو منور کرتا ہے اور دل سے جہالت کی ظلمت کو دور کرتا ہے۔ اور نماز دل میں اللہ کی محبت اور عظمت پیدا کرتی ہے اور معصیت سے متنفر اور بیزار کرتی ہے جس کا ثمرہ قرب الٰہی ہے۔ اور ذکر الٰہی دل سے اللہ کی غفلت کو دور کرتا ہے اور دل کی اصل بیماری باری تعالیٰ سے غفلت ہے"۔[52]

قرآن مجید کے اعجاز کی ایک بڑی علامت یہ ہے کہ اس میں ایسا سوز اور تاثیر ہے کہ بہت سے سخت سے سخت دل لوگ جب اسے سنتے ہیں تو ان کی دنیا بدل جاتی ہے، زندگی کو نیا رخ مل جاتا ہے، انسان ہوں یا جنات اس کی تاثیر سے ان کی زندگیوں پر نمایاں اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مشرکین مکہ نے جب قرآن کی تاثیر کو دیکھا تو انہوں نے اہل اسلام کو با آواز بلند تلاوت کرنے سے روک دیا اور خود ان کے سردار راتوں کو چھپ چھپ کر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کی تلاوت سنا کرتے تھے۔ یہ قرآن مجید کا وہ معجزہ تھا جس کا انکار مشرکین مکہ بھی نہ کر سکے۔ قرآن مجید کا یہ سوز کفار کو

---

[50]۔ معارف القرآن، ص:6/117، 118

[51]۔ تفہیم القرآن، ص:5/176

[52]۔ معارف القرآن، ص:6/116

اسلام سے قریب اور اہل ایمان کے ایمان کو بڑھانے کا ذریعہ ہے جس پر تاریخ انسانی شاہد ہے۔

5۔ قرآنِ مجید کا سابقہ آسمانی تعلیمات اور زندگی کے تمام پہلوؤں کو جامع ہونا

وہ علوم و معارف آج تک جن کا کسی بھی کتاب نے احاطہ نہ کیا اور نہ مستقبل میں ایسا ممکن ہے کہ اتنے تھوڑے حجم اور تھوڑے کلمات میں اتنے سارے علوم وفنون جمع کیے جاسکیں جو تمام انسانوں کی ہمیشہ کی ضروریات کو حاوی اور زندگی کے تمام شعبہ جات سے متعلق پورا اور بہترین نظام پیش کرسکے۔ سید مودودیؒ اس پہلو کو یوں نمایاں کرتے ہیں :

"جو وسیع اور جامع علم اس کتاب میں پایا جاتا ہے وہ اس زمانے کے اہل عرب اور اہل روم و یونان و ایران تو درکنار اس بیسویں صدی کے اکابر اہل علم میں سے بھی کسی کے پاس نہیں ہے۔ آج حالت یہ ہے کہ فلسفہ و سائنس اور علوم عمرانی کی کسی ایک شاخ کے مطالعہ میں اپنی عمر کھپا دینے کے بعد آدمی کو پتا چلتا ہے کہ اس شعبہ علم کے آخری مسائل کیا ہیں، اور پھر جب وہ غائر نگاہ سے قرآن کو دیکھتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب میں ان مسائل کا ایک واضح جواب موجود ہے۔ یہ معاملہ کسی ایک علم تک محدود نہیں ہے بلکہ ان تمام علوم کے باب میں صحیح ہے جو کائنات اور انسان سے کوئی تعلق رکھتے ہیں۔ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ 14 سو برس پہلے ریگستان عرب میں ایک امی کو علم کے ہر گوشے پر اتنی وسیع نظر حاصل تھی اور اس نے ہر بنیادی مسئلے پر غور وخوض کر کے اس کا ایک صاف اور قطعی جواب سوچ لیا تھا؟ "[53] ایک اور مقام پر اسے اس انداز میں لکھتے ہیں:

" یہ کتاب جس موضوع سے بحث کرتی ہے وہ ایک وسیع ترین موضوع ہے جو کائنات کی حقیقت اور اس کے آغاز و انجام اور اس کے نظم و آئین پر کلام کرتی ہے کہ اس کا خالق اور ناظم اور مدبر کون ہے، اس کی صفات واختیارات کیا ہیں؟ اور اس نظام کی حقیقت کیا ہے؟۔ اس جہان میں انسان کی حیثیت اور اس کا مقام کیا ہے؟ وہ بتاتی ہے کہ اس مقام اور اس حیثیت کے لحاظ سے انسان کے لیے فکر و عمل کا صحیح راستہ کیا ہے جو حقیقت سے پوری مطابقت رکھتا ہے اور غلط راستے کیا ہیں جو حقیقت سے متصادم ہوتے ہیں۔ صحیح راستے کے صحیح ہونے اور غلط راستوں کے غلط ہونے پر وہ زمین و آسمان کی ایک ایک چیز سے، نظام کائنات کے ایک ایک گوشے سے، انسان کے اپنے نفس اور اس کے وجود سے اور انسان کی اپنی تاریخ سے بے شمار دلائل پیش کرتی ہے۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی بتاتی ہے کہ انسان غلط راستوں پر کیسے اور کن اسباب سے پڑتا رہا ہے، اور صحیح راستہ کس ذریعہ سے اس کو معلوم ہو سکتا ہے۔ اور وہ کتاب اس راستے پر چلنے

---

[53]۔ تفہیم القرآن، ص:5/179

کے لیے ایک پورے نظام زندگی کا نقشہ پیش کرتی ہے جس میں عقائد، اخلاق، تزکیہ نفس، عبادات، معاشرت، تہذیب، تمدن، معیشت، سیاست، عدالت، قانون، غرض حیات انسانی کے ہر پہلو سے متعلق ایک نہایت مربوط ضابطہ بیان کر دیا گیا ہے۔ نیز وہ اس دنیا کے ختم ہونے اور دوسرا عالم برپا ہونے کی نہایت مفصل کیفیت بیان کرتی ہے اور پھر وہاں کی زندگی میں سزا و جزاء کا مکمل نظام اور اس کی جزوی تفصیلات اس میں موجود ہیں۔ اس وسیع مضمون پر جو کلام اس کتاب میں کیا گیا ہے وہ اس حیثیت سے ہے کہ اس کا مصنف حقیقت کا براہ راست علم رکھتا ہے، اس کی نگاہ ازل سے ابد تک سب کچھ دیکھ رہی ہے، تمام حقائق اس پر عیاں ہیں، کائنات پوری کی پوری اس کے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح ہے، اور سب کچھ قیاس و گمان کی بنا پر نہیں بلکہ علم کی بنیاد پر انسان کی رہنمائی کر رہا ہے۔ جن حقائق کو علم کی حیثیت سے وہ پیش کرتا ہے ان میں سے کوئی ایک بھی آج تک غلط ثابت نہیں کیا جا سکا ہے۔ فلسفہ و سائنس اور عمرانی علوم کے تمام آخری مسائل کے جوابات اس میں موجود ہیں اور ان سب کے درمیان ایسا منطقی ربط ہے کہ ان پر ایک مکمل، اور جامع نظام فکر قائم ہوتا ہے۔ پھر عملی حیثیت سے جو رہنمائی اس نے انسان کو دی ہے وہ صرف انتہائی معقول اور انتہائی پاکیزہ ہی نہیں ہے بلکہ 14 سو سال سے روئے زمین کے مختلف گوشوں میں بے شمار انسان اس کی پیروی کر رہے ہیں اور تجربے نے اس کو بہترین ثابت کیا ہے۔ کیا اس شان کی کوئی انسانی تصنیف دنیا میں موجود ہے جسے اس کتاب کے مقابلے میں لایا جا سکتا ہو؟ "[54]

مولانا کاندھلویؒ نے اعجاز القرآن کے اس پہلو کو اس طرح لکھا ہے:

" قرآن تمام کتب سماویہ کا خلاصہ اور لب لباب اور تمام علوم ہدایت کا عطر ہے۔ پس اس کتاب پر ایمان لانا در حقیقت تمام کتب الٰہیہ پر ایمان لانا ہے اور اس کا انکار درپردہ تمام کتب الٰہیہ کا انکار ہے۔ پس جن لوگوں کو ہم نے توریت اور انجیل دی اور انہوں نے اپنی کتاب کو ٹھیک سمجھا اور ضدی اور عنادی نہیں، وہ آپ والی کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں، کیونکہ انہوں نے جان لیا کہ قرآن کریم علوم ہدایت میں توریت و انجیل سے بہت بلند ہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ ایسی لاجواب کتاب پر ایمان نہ لایا جائے"۔[55]

مولانا کاندھلویؒ نے اسی نقطہ کو ایک دوسرے مقام پر یوں لکھا ہے:

"یہ کتاب دوسروں کو بھی پڑھ کر سنایئے تاکہ لوگ اس کو سن کر ہدایت پاویں اور نصیحت پکڑیں اور معاندین پر اللہ کی

---

[54]۔ تفہیم القرآن، ص:5/176،177

[55]۔ معارف القرآن، ص:6/117

حجت پوری ہو، کیونکہ یہ کتاب اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے جو دلائل توحید اور دلائل نبوت اور براہین پر مشتمل ہے، اور اصول دین اور احکام شریعت اور مکارم اخلاق اور محاسن آداب پر حاوی ہے، کیمیاء سعادت اور ہدایت کی کنجی ہے۔" [56]

ان اقوال کا حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید کی تعلیمات پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح معلوم ہوتی ہے کہ یہ کتاب سابقہ کتب سماویہ کی تعلیمات کو نہ صرف جامع ہے بلکہ ان میں ہونے والی تحریفات اور تغیر و تبدل کی وضاحت اور اس کی اصلاح بھی کرتی ہے۔ یہی وہ بات ہے جس نے اہل کتاب کے معتدل مزاج علماء کو اس کے قریب کیا اور اسلام کا مطالعہ کرنے کی طرف راغب کیا۔

6۔ سابقہ اقوام کی تاریخ پر مشتمل ہونا

قرآن کریم کے معجزہ ہونے کا ایک پہلو یہ ہے کہ اس میں گزرے ہوئے لوگوں، ان کی شریعتوں اور ان کے تاریخی حالات ایسے بیان کیے گئے ہیں کہ اس زمانے کے یہود و نصاریٰ کے بڑے بڑے علماء کے بھی اتنی معلومات نہیں تھیں اور نبی اکرم ﷺ تو نہ کبھی کسی مکتب میں گئے اور نہ کسی عالم کی صحبت میں رہے اور کبھی کوئی کتاب پڑھی۔ لہذا شروع دنیا سے آپ ﷺ کے دور تک تمام لوگوں کی تاریخ اور ان کی شریعتوں کی تفصیلات کا بیان، ظاہر سی بات ہے کہ سوائے اس کے نہیں ہو سکتا کہ یہ کلام، اللہ تعالیٰ ہی کا ہو اور اللہ تعالیٰ نے ہی آپ ﷺ کو یہ ساری خبریں دی ہوں۔

مولانا کاندھلویؒ اعجاز القرآن کے اس پہلو کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ان کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کیجیے جو توحید کے مضامین پر اور گزشتہ امتوں کے حال اور مال پر مشتمل ہے اور آپ ﷺ کی رسالت کا عظیم معجزہ ہے" [57]

ایک اور مقام پر اعجاز القرآن کے اسی پہلو کو اس انداز سے لکھتے ہیں:

" یہ کتاب، کتب سابقہ کی تصدیق کرنے والی ہے۔ انبیاء سابقین کے واقعات کو صحیح صحیح بیان کرتی ہے اور حلال و حرام کے احکامات تفصیل کے ساتھ بیان کرتی ہے، جہاں انسانی عقل کی رسائی نہیں۔ الغرض قرآنِ مجید گزشتہ کتابوں کی

[56]۔ ایضاً، ص: 113/6

[57]۔ معارف القرآن، ص: 112/6

تصدیق ہے اور علوم ہدایت کی تفصیل پر مشتمل ہے۔ اس لیے اس کا رب العالمین کی طرف سے ہونا بدیہی ہے، جس میں کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں"۔[58]

حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن مجید میں سابقہ امم کی تاریخ کے ایسے خدوخال نمایاں کیے گئے ہیں جن کی وجہ سے خود اہل کتاب بھی حیران تھے۔ اور ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ باوجود امی ہونے کے ایسی باتوں کا بیان یقینا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ من جانب اللہ ہے اور انسانی عقل و شعور اور علم و تجربہ اس کی مثل لانے سے عاجز ہے۔

خلاصہ بحث

حضور اکرم ﷺ کے معجزات میں سب سے نمایاں معجزہ قرآن مجید ہے، اور یہ معجزہ آپ ﷺ کے معجزات میں اس لیے نمایاں مقام رکھتا ہے کہ ایک تو یہ ہر زمانے کے اعتبار سے معجزہ ہے، قیامت تک آنے والے تمام امت کو اس کے معجزہ ہونے کا مشاہدہ ہو گا۔ اور اس اعتبار سے بھی یہ نمایاں ہے کہ اس کے معجزہ ہونے کے کئی پہلو ہیں جن کا ادراک عوام و خواص کر سکتے ہیں، جیسے قرآن مجید کا بدیع اسلوب، اس کے زندہ احکام و مسائل اور تعلیمات، سابقہ انبیاء کی تعلیمات کا خلاصہ، اقوام عالم کی تاریخ، قیامت تک آنے والے بے شمار امور کی پیشین گوئی اور اس کی تاثیر اور اس کا پر سوز ہونا ایسے امور ہیں جن کی وجہ سے یہ کتاب تمام آسمانی اور غیر آسمانی کتب میں ایک بے مثال و درخشندہ ستارہ ہے۔ اس کتاب کے نور کی کرنیں ساری کائنات کو منور کر رہی ہیں، خوابیدہ طبیعتوں کو بیدار، اور پریشان حال لوگوں کے دلوں کو سکون مہیا کر رہی ہیں اور اس کے نسیم ہدایت کے جھونکوں سے ظلمتوں کے بادل چھٹ رہے ہیں۔

نتائج

۱۔ اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کی ہدایت وراہنمائی کے لئے انسانوں میں سے نبی و رسول بھیجے تاکہ ان برگزیدہ ہستیوں کے واسطے سے بندوں تک اپنے احکامات پہنچائے۔

۲۔ معجزات اللہ رب العزت کی قدرت کا پرتو ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی صداقت وحقانیت کے ثبوت میں من جانب اللہ نبی و رسول کے ہاتھ پر صادر ہوتے ہیں۔

---

[58]۔ ایضاً، ص: 3/591

۳۔ حضور اکرم ﷺ کے معجزات میں سب سے نمایاں معجزہ قرآن مجید ہے، اور یہ معجزہ آپ ﷺ کے معجزات میں اس لیے نمایاں مقام رکھتا ہے۔

۴۔ قرآن کئی اعتبار سے معجزہ ہے۔ جیسے کا بدیع اسلوب، اس کے زندہ احکام و مسائل اور تعلیمات، سابقہ انبیاء کی تعلیمات کا خلاصہ، اقوام عالم کی تاریخ، قیامت تک آنے والے بے شمار امور کی پیشین گوئی اور اس کی تاثیر اور اس کا پر سوز ہونا ایسے امور ہیں جن کی وجہ سے یہ کتاب تمام آسمانی اور غیر آسمانی کتب میں ایک بے مثال و درخشندہ ستارہ ہے۔

۵۔ قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جو نبی اکرم ﷺ کی رسالت کی دائمی دلیل ہے۔ اتنی صدیاں گزرنے کے باوجود اس کے الفاظ میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جاسکی۔